خان غازی کابلیؒ (دہلی)

لاہور کی یادیں

لاہور ہی وہ شہر ہے جس نے غازی کو شمع آزادی پر نہ صرف پروانہ وار قربانی کے درس دیئے بلکہ اسے تحریک آزادی کے مجاہدوں میں بھی شامل کیا۔ لاہور سے پہلے ''غازی'' صرف ''حبیب الرحمٰن'' تھے لیکن لاہور نے ''لیلائے حریّت'' کے عاشقوں میں شامل کر کے اسے ''خان غازی کابلی'' کے نام سے ایسی شہرت دی کہ لوگ ''حبیب الرحمٰن'' کو بالکل بھول گئے بقول حسرت موہانی:

عشق نے جب سے کہا حسرتؔ مجھے
کوئی بھی کہتا نہیں فضل الحسن

لاہور نے ہی غازی کو سیاسی، قومی، ادبی مشاہیر سے روشناس کرایا۔ اسی لاہور شہر میں ہی ''غازی'' پنڈت جواہر لال نہرو، خان عبدالغفار، مولانا حسین احمد مدنی اور بین الاقوامی شہرت کے لیڈروں سے متعارف ہوئے۔ ''غازی'' ہندوستان کے ہر شہر میں مسرتوں سے بھی ہم آغوش و ہمکنار ہوئے اور حوادث کے طوفانوں سے بھی ٹکرائے مگر لاہور نے اسے ہر حال میں مسکرانے کا ہی درس دیا۔

لاہور، مجاہدوں، سرفروشوں اور ''سرچوشانِ احرار اسلام'' کا شہر...... اس سے متعلق غازی کے دل و دماغ کے جھروکوں میں بے شمار یادیں پھڑ پھڑا رہی ہیں اور ہر یاد کا یہ مطالبہ ہے کہ مجھے صفحۂ قرطاس پر پیش کر کے رسوائی کا شرف بخشا جائے اور غازی حیران ہیں کہ کس یاد کو رسوائی کا اعزاز بخشے اور کسے نظر انداز کریں۔

''سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لیے''

۱۹۳۴ء اور ۱۹۳۵ء میں ''غازی'' کوئٹہ میں سریاب روڈ پر نوجوانانِ وطن کو حریت و آزادی کے درس دے رہے تھے کہ ایک دن بابو گل محمد سابق وزیراعظم قلات نے فرمایا کہ ''حکام کوئٹہ بلوچستان یہ نہیں چاہتے کہ غازی کوئٹہ میں رہیں۔''

اس لیے بابو گل محمد خاں نے غازی کا بستر گول کر کے اسے کوئٹہ سے ریل میں لاہور کے لیے سوار کیا۔ غازی لاہور پہنچ کر ''رونق ہنگامۂ احرار'' ہوئے اور کوئٹہ کے نوجوان شاگردانِ غازی اور بابو گل محمد خاں کوئٹہ کے قیامت آفریں زلزلے کے ملبے میں دب کر شہادت کا جام نوش کر گئے۔ اسی دوران لاہور میں ''مسجد شہید گنج'' گرادی گئی اور ''احرار'' کے خلاف لاہور کی فضاؤں میں ''احرار مردہ باد'' کے نعرے اور مولانا ظفر علی خاں کا یہ ترانہ گونجنے لگا:

جو لینی ہے تمہیں مسجد تو نیلی پوش ہو جاؤ

خدا کا نام لو اور عاقبت بردوش ہو جاؤ

پشاور سے لے کر بنگال اور رنگون و کشمیر سے لے کر راس کماری اور لنکا تک تمام پریس احرار کی مخالفت میں متحد ہو گیا اور تمام جماعتیں ''احرار'' کو ''غدار'' کہنے لگیں۔ ایسے ماحول میں ''احرار'' نے روزنامہ ''مجاہد'' نکالا جس کے چیف اور انچارج ''غازی'' مقرر ہوئے اس کے پرنٹر و پبلشر تو کوئی مشتاق احمد تھے لیکن اس کے لیے مضامین مولانا مظہر علی اظہر، چودھری افضل حق اور خان غازی کابلی لکھا کرتے تھے۔ چونکہ آئرلینڈ میں ''ڈی دلیرا'' کے خلاف ''ڈاکٹر کاسگرڈ'' کے چیلوں کی وردی کا رنگ نیلا تھا اس لیے غازی نے ''مجاہد'' میں ''نیلی پوشوں'' کو ''آئرلینڈ'' کے ''غداروں'' سے تشبیہ دی۔ اس پروپیگنڈے کا یہ اثر ہوا کہ مولانا ظفر علی خاں کے جلسوں میں گڑبڑ ہونے لگی۔ ''غازی'' نے ان ہی دنوں ۲۱ر جولائی ۱۹۲۲ء کا ایک پرچہ بھی حاصل کر لیا تھا اور اس حوالے سے ثابت کیا کہ احراریوں کے خلاف سارا ہنگامہ بے بنیاد ہے۔ زمیندار اور نیلی پوشوں کے پروپیگنڈے کی ناکامی کے بعد روزنامہ ''انقلاب'' کے مولانا مہر اور سالک احرار کے خلاف میدان میں آئے اور ''آئینہ دیکھئے'' کے عنوان سے سلسلۂ مضامین شروع کیا۔ جس کے جواب میں مولانا مظہر علی اظہر اور غازی نے متعدد مضامین لکھے۔

مولانا (غلام رسول) مہر آف انقلاب اور (عبدالمجید) سالک سے مولانا مظہر علی اظہر اور خان غازی کابلی کی قلمی جنگ قریب ایک ماہ تک جاری رہی اور اس کا خاتمہ اس طرح ہوا کہ ایک دن اچانک شام کو مولانا مہر اور سالک دفتر احرار تشریف لائے اور آپس کی بات چیت سے معاملہ رفع دفع ہو گیا۔

''رہنمایانِ احرار'' کی زندگی بالکل قلندرانہ قسم کی تھی اور چودھری افضل حق، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا مظہر علی اظہر تو اس قلندری میں ایسے تھے کہ انہیں دیکھنے کے لیے دور دور سے لوگ جوق در جوق آیا کرتے تھے۔ چونکہ لاہور آ کر سے پہلے ''غازی'' نے ''سرخپوشانِ احرار'' سے دوستی کی تھی اس لیے سب سے پہلے اس نے سرخ پوشوں اور احرار رہنماؤں سے اپنے تعلقات کی مختصر یادیں پیش کی ہیں۔ اب مولانا ظفر علی خاں کے یہاں منعقدہ تقریب کا دلچسپ واقعہ سن لیجئے۔

مولانا ظفر علی خاں ''غازی'' سے احراری ہونے کے علاوہ اس لیے بھی خفا تھے کہ اس نے اپنی ایک کتاب ''مولانا ظفر علی خاں کی گرفتاری'' میں ان کے ''سربستہ رازوں'' سے پردہ اٹھایا تھا بعد میں مولانا مرکزی اسمبلی کے ممبر بھی بنے اور شہریار دکن سے بند وظیفہ بھی جاری ہوا۔ ایسے حالات میں انہوں نے اپنے پوتے عزیزی منصور علی خاں کی شادی حیدر آباد دکن میں رچائی۔ اس زمانے میں احرار کے تمام چھوٹے بڑے لیڈر جیل میں ''دار و رسن'' کے امتحان دے رہے تھے اور ''غازی'' کوچۂ فقیر خانہ لاہور میں اپنے دوست حفیظ ملک جو ان دنوں امریکہ کی کسی یونیورسٹی میں پروفیسر تھے

''منقاز یرپر'' پناہ گزیں تھے ایک دن انار کلی میں ملک نصر اللہ خاں عزیزؔ نظر افروز ہوئے تو میں نے ان کا شعر انہیں کو سنایا کہ

مت جائیو انار کلی کی طرف عزیز
واں ہر حسیں بشیوۂ رہزن ہے آج کل

ملک صاحب ہنسے اور فرمایا کہ مولانا ظفر علی خاں اپنے پوتے منصور علی خاں کی دلہن کو حیدر آباد سے لاہور لا رہے ہیں۔ اور آج کل پولیس لائن میں دعوت ولیمہ ہے جس میں ہر مذہب وملت کے احباب مدعو ہیں کیا آپ کو دعوت نہیں ملی ہے۔ میں نے عرض کیا کہ دعوت تو نہیں ملی مگر میں خود ہی ''گھسیڑ م گھساڑ'' ہو جاؤں گا۔ آپ فکر نہ کریں چنانچہ وہ کسی نہ کسی طرح سچ مچ ہی منصور کی دعوت ولیمہ میں جا دھمکا۔ گانے بجانے کے بعد پرتکلف کھانا احباب کے سامنے چنا گیا اور اس کے بعد مولانا ظفر علی خاں کی صدارت میں ''بزم سخن'' منعقد ہوئی۔ مولانا ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ کسے دعوتِ سخن دیں، میں نے سید انشاء اللہ خاں انشاء کا پارٹ ادا کیا اور خود ہی مولانا ظفر علی خاں کے پاس کھڑے ہو کر یوں سخن طراز ہوا:

ظفر علی پہ خدا وند لطف تام کند ۔۔۔ وہ اپنے پوتے کی شادی کا انتظام کند
میری طرف سے مبارک ہو شادیٔ منصور ۔۔۔ نشاط و عیش کا لبریز نوش جام کند
ظفر علی جو ولیمہ کا انتظام کند ! ۔۔۔ تو اس میں گانے بجانے کا اہتمام کند
کہا یہ میں نے کہ یہ کیا ہے حضرت والا ۔۔۔ تو مجھ سے بات وہ یوں بعد از طعام کند
کہ میرے بیٹے نے ان ''لق لقوں'' کو بلوایا ۔۔۔ وگرنہ بندہ گوارا نہ یہ حرام کند
یہ بات سن کے میں بے اختیار بول اٹھا ۔۔۔ اگر پدر نتواند پسر تمام کند !

مندرجہ بالا نظم سن کر مولانا نے مجھ سے دریافت کیا کہ آپ کون ہیں جو میرے ہی انداز میں نظمیں کہنے پر قدرت رکھتے ہیں اس پر میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ مولانا خدا بخش اظہر امرتسری بول اٹھے کہ یہ احراری خان غازی کابلی ہیں اس پر مولانا ظفر علی خاں نے فرمایا کہ شیخ سعدی نے تو دنیا کو بتایا ہے:

''جرأت وسرکشی وجہل با افغاں دادند''

مگر یہ خان کابلی تو خالص میرے انداز کے شاعر ہیں۔ غازی نے عرض کیا کہ احسن مارہروی کا شاگرد اور بلبل ہندوستان داغ دہلوی کے خاندان کا شاعر بھی ہوں اور چونکہ سید الاحرار حسرتؔ موہانی کا پیروکار و پرستار ہوں اس لیے ''طرفہ تماشہ طبیعت'' کا بھی مالک ہوں ''چکی کی مشقت'' کے ساتھ ''مشقِ سخن'' بھی کیا کرتا ہوں۔ اس گفتگو کے بعد مولانا ملک نصر اللہ خاں عزیز کو دعوت سخن دی گئی۔ مولانا عزیز نے فرمایا کے خان غازی کابلی کی نظم نے جو رنگ جمایا ہے میں چاہتا ہوں کہ وہ رنگ قائم رہے اس لیے میں اسی زمین اور انداز میں نظم پیش کرتا ہوں سماعت فرمایئے:

ہمارے حال پہ ’’ مولا ‘‘ جو لطفِ عام کند
تو ’’ مولا داد ‘‘ ولیمہ کا انتظام کند

مری دعا ہے یہ منصورؔ کے لیے یارب !
کہ واحدہ پہ قناعت کا التزام کند

بنے بنی میں الٰہی بنی رہے دائم
نظارہ لطف و محبت کا صبح و شام کند

نظر اٹھا کے نہ دیکھے یہ دوسری کی طرف
اسی اصول پہ چلنے کا اہتمام کند

لگا کے نعرۂ تکبیر سب پکار اٹھیں
’’ اگر پدر نتواند پسر تمام کند ‘‘

مولانا نصر اللہ خاں عزیزؔ کی نظم سن کر مولانا گہری سوچ میں پڑ گئے اور پھر حقہ کا کش لگا کر اِدھر اُدھر نظر اٹھا کر دیکھنے لگے اور فرمایا کہ ہمارے سرکاری شاعر ابوالعلا المعروف حاجی لق لق کہاں ہیں؟ حاجی لق لق لڑکھڑاتے ہوئے اسٹیج پر آئے اور مولانا ظفر علی خاں کو ’’اعلیٰ حضرت‘‘ کہہ کر یوں سخن طراز ہوئے:

ظفرؔ علی خاں پہ خدا لطفِ صبح و شام کند — زباں سے بُتِ ہندوستاں کو رام کند
دکن کے ملک میں منصورؔ کا بیاہ کیا — کہ اس پہ ناز سدا دولتِ نظام کند
بدادِ حکم زراہِ کرم بہ ’’ مولا داد ‘‘ — کہ وہ ولیمہ کی دعوت کا انتظام کند
ترانہ سنج ہو مطرب طعام تازہ کے بعد — ضیافتِ دل و گوش دو دہاں کام کند
دعائیں دولہا کو ہر نقطۂ نظر سے ملیں — کہ یہ بلند جہاں بھر میں اپنا نام کند
کہا کسی نے رہے باوفا دلہن سے سدا — نثارِ شرع ہو تخریب سازو جام کند
کہا کسی نے کہ قوم و وطن کا خادم ہو — حصولِ دولت عقبیٰ کا اہتمام کند
مگر یہ مصرعہ تھا کیوں ہر دعا کے آخر میں — ’’ اگر پدر نتواند پسر تمام کند ‘‘

مشاعرہ ختم ہوا تو غازی کی تمام گستاخیوں اور شرارتوں پر مولانا نے خاک ڈالی اور اسے گلے سے لگایا اور فرمایا کہ ایک مرتبہ سکندر حیات خاں نے کہا کہ احرار میں خان غازی کابلی اور مولانا مظہر علی اظہرؔ دو ایسی شخصیتیں ہیں کہ اگر یہ فارغ البال ہوں اور انہیں وسائل حاصل ہوں تو یہ دونوں بہت بڑے بڑے کام کر سکتے ہیں اور غازی نے عرض کیا کہ ہمارے پاس

ایک ایسی چیز بھی ہے کہ اس کے ذریعے سے ہم ٹوٹے ہوئے دلوں کو بھی جوڑ سکتے ہیں اور وہ ہے بے غرض اور سچی محبت ۔

جہاں میں خانؔ محبت ہی چیز ایسی ہے
کہ جس سے ٹوٹے دلوں کو بھی ہم نے جوڑ دیا

ایک واقعہ مولانا حسرت موہانی کے بارے میں سناؤں۔ سیاسی طور پر غازی کو مولانا حسرتؔ موہانی سے بے حد عقیدت اور محبت رہی ہے۔ کئی برسوں کے بعد جب لاہور کے مال روڈ پر جاتے ہوئے نظر آئے تو بھاگ کر ان کے سامنے کھڑے ہو گئے اور عرض کیا کہ ''میخانہ ہے نزدیک آرام سے بیٹھیں گے اور کچھ باتیں کریں گے''۔ انہوں نے توبہ استغفار پڑھی اور فرمایا کہ ''میخانہ اور حسرت؟'' آپ نے کہیں غلطی سے ''جوش'' تو نہیں سمجھ لیا ہے؟ غازی نے اپنی درخواست کی وضاحت کی اور کہا کہ ''میخانہ'' سے مراد ''کافی ہاؤس'' ہے وہاں کافی پئیں گے اور پرانی محبت کو تازہ کریں گے۔ انہوں نے فرمایا پرانی باتوں اور کہانیوں کو دہرانے سے کیا حاصل؟ زمانہ بدل گیا ہے۔ میں مسلم لیگ میں اور آپ مجلس احرارِ اسلام میں ہیں اس پر غازی نے عرض کیا کہ ۔

زندان فرنگی میں چکّی کا وہ چلانا
'' آتا ہے یاد مجھ کو گزرا ہوا زمانہ ''

حسرتؔ نے فرمایا کہ زیادہ باتیں نہ کیجئے مجھے ایک جگہ ضروری پہنچنا ہے گاڑی نکل جائے گی۔ غازی نے عرض کیا کہ اچھا یہ تو بتائیے کہ وہ ''خوش نصیب'' کون تھے جن کے پاس آپ لاہور تشریف لائے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ ''وہ خوش نصیب ریڈیو اسٹیشن'' لاہور کا ہے جس پر غزل پڑھنے آیا تھا۔ اس پر حیرت کے ساتھ عرض کیا کہ وہ شاعر جس کا مطلع یہ ہے ۔

ہے مشق سخن جاری ، چکّی کی مشقت بھی
اِک طرفہ تماشہ ہے حسرتؔ کی طبیعت بھی

وہ انگریز کے ''ریڈیو'' سے غزل پڑھے۔ حسرتؔ نے نہایت معصومانہ انداز اور مسکراہٹ کے ساتھ فرمایا ۔

حسرتؔ پہ ہی موقوف نہیں کوئے بُتاں سے
لے جا نہ سکا کوئی بھی ایمان سلامت !

اور ''السلام علیکم'' کہہ کر چل دیئے۔

(مطبوعہ: ''آج کل'' نئی دہلی۔ مارچ ۱۹۷۹ء)

ادارہ — مجلس احرار اسلام پاکستان کی سرگرمیاں